

نیویارک سے مکہ تک

سید حبیب الحق ندوی

اس وقت ہم مادی دنیا کے مرکز "نیویارک" سے روحانی دنیا کے مرکز "مکہ" کا سفر کر رہے ہیں، آج پانچ سالہ کی بارہ تاریخ ہے۔ موسم نشا انگیز ہے، کبڑا بادل اور بارش کی بجائے خوشگوار صوبہ زندگی کو متحرک اور فعال بنائے ہوئے ہے۔ ہم شہر کی پڑچ پڑچوں سے گزر کر نیویارک کے جان ایف کینیڈی ایئرپورٹ پر پہنچ چکے ہیں۔ یہ نیویارک کا سب سے بڑا بین الاقوامی ایئرپورٹ ہے، مسافروں کی سہاہی اور ریل-بیل جاہی ہے۔ شام کے پانچ بج چکے ہیں۔ تیس آدمیوں پر مشتمل سجاج کاریہ قافلہ جس میں پچیس طالب علم ہیں آپ کے سامنے ہے۔ یہ لوگ دلیات متحدہ کے مختلف شہروں سے آکر یہاں جمع ہوئے ہیں۔ ان میں کناڈا کے طلباء بھی ہیں جو عربین شرفین کی زیارت کا شوق سینوں میں چھپائے یہاں پہنچے ہیں۔ اس قافلہ میں کالے بھی ہیں اور گوسے بھی۔ اور پیدائشی مسلمان بھی ہیں اور زمسلم بھی۔ فرداً فرداً سب کا تعارف کُشکل ہے، آئیے آپ کا تعارف وارث محمد سے کر اؤں، یہ علی جاہ محمد زعم بلیک مسلم تحریک کے دوسرے صاحبزائے ہیں، جو باپ کی جماعت سے فسادت کر کے صحیح العقیدہ مسلمانوں میں شامل ہو گئے ہیں اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کے مستقبل کا چراغ ہیں۔ باپ نے عاق کر دیا ہے مگر دولت ایمان ان کے سکون کے لئے کافی ہے۔ میازہ قد ہے، رنگ صاف ہے، ہندوستانی یا پاکستانی مسلمانوں اگر یہ کھڑے ہو جائیں تو امتیاز کُشکل ہوگا۔

امریکی تاریخ میں غالباً پہلی بار حج کا موسم آیا ہے جس میں تیس آدمیوں کا قافلہ لبیک لبیک اللہم لبیک لاشریک لبیک کہتا ہر اذہا الباد و ارتقی کے ساتھ وادی لعلیہ کی طرف گامزن ہے۔ یہ صورتِ حال قرآن کریم کی آیت "یا توکی من علیٰ فنج عیسیٰ" کی عملی تفسیر ہے۔ نازرین حرم آپ کے سامنے صف باندھے کھڑے ہیں۔ سامان انصران کے حوالہ کر کے اپنے ٹکٹ حاصل کر رہے ہیں۔

یہ سٹوٹھ آٹھ بج گئے، طیارہ کی نبض تیز ہو چلی ہے، اس کے دل کی دھڑکنیں آپ ایئرپورٹ کے

پلیٹ فارم سے من سکتے ہیں۔ افران طیارہ تختب اور اسٹرام کی نغروں سے بہن دیکھ رہے ہیں۔ تختب تو اس لئے کہ اس مادی دنیا میں تیشیں سیر و سیاحت تفریح اور تفریح کے لئے اتنی بڑی رقم کا خرچ تو عقل میں آنے والی بات ہے لیکن ایک مذہبی فریضہ کی ادائیگی پر یہ مرنے کی حد تک عقل سے بعید بات ہے۔ اسٹرام شاید اس لئے کہ مدحانیت میں اب بھی اتنی قوت موجود ہے کہ مادی سر و سامان اور دولت کے لئے میں بدست انسان بھی کچھ دیر کے لئے چمک جاتا ہے اور اسے ماقبت کی فکر غیر شعوری طور پر کچھ دیر کے لئے ہی سہی لاحق ہو جاتی ہے۔ اب ہم طیارہ کے اندر ہیں۔ اتفاق دیکھئے کہ ہمدی اس جماعت کو ایک ساتھ وسط میں نشین ملی ہیں آپ مسافروں کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں، ایک حصہ آگے ہے، ایک حصہ پیچھے اور وسط میں حاملین قرآن کی یہ جماعت ہے۔ شاید اس لئے کہ اس کا تعلق امت وسط سے ہے جو تہماؤں میں اعتدال قائم کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ فرنگی مسافروں کی آنکھیں غیر معمولی طور پر پھٹی ہوئی ہیں وہ آنکھیں سہارا چھڑا کر ہیں دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے ایسی جماعت شاید پہلی بار دیکھی ہے۔ جو ایک ناقابل شکست عزم کی مالک ہے۔ اور کیونکہ ناقارہ اتمام کے ساتھ لیتنا لیتنا اللہم لیتنا لا شریک لک لیتنا کی صدا بلند کر رہی ہے۔ تبلیہ کی گنگناہٹ سے ان کے کان کھڑے ہو گئے ہیں اور کوشش کے باوجود وہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ یہ کس منزل کے ماہی ہیں۔

طیارہ اب بابل پرواز ہے۔ دن وے پر اس کی حرکت کے ساتھ ہی بیک بیک کی آوازیں تیز ہو گئیں ایک بست میں طیارہ خطوط ایران سمیٹ کر نیویارک شہر کے اوپر پہنچ چکا ہے رزمن طیارہ نیچے دیکھئے نیویارک شہر رنگین قنوں کے خطوط میں بدل گیا ہے۔ اب یہ خطوط بھی بحر اوقیانوس میں ڈوبتے جا رہے ہیں۔ اب آپ سطح زمین سے چھتیس ہزار فٹ کی بلندی پر ہیں، نیچے بحر اوقیانوس ہے، اوپر نیگیوں آسمان، بادل اب سے سر جھکانے قافلہ حجاز کے قدموں کے نیچے دیدہ و دل فریب راہ کرتے جا رہے ہیں، فرنگی اپنی تخلیق پر نازاں و فرحان ہیں، قافلہ حجاز قبای الار دیکھا تکذبان کا درد کر رہا ہے۔ طیارہ جانب لندن پرواز کر رہا ہے۔ نیویارک سے لندن کی گنگناہٹ کی مسافت ہے۔ وقت کاٹنے کے لئے طیارہ کے اندر ٹیلی ویژن کے درجنوں سیٹ لگے ہوئے ہیں۔ کھانے کے بعد اطلاع ہو چکا ہے کہ دو نہیں دکھائی جائیں گی تاکہ لندن میں اترتے وقت ایسا محسوس ہو کہ ابھی آپ سنا دیکھ کر گھر واپس لوٹے ہیں۔ ادھر فلم شروع ہوئی۔ ادھر برلین اسلام نے ٹیپ ریکارڈ پر تلاوت قرآن سننے کا پروگرام شروع کیا۔

رات کی بغض بحر اقیانوس کی گہرائیوں میں ڈوبتی جا رہی ہے۔ سپیدہ صبح نمودار ہو رہا ہے۔ صبح کی اذان دی گئی۔ امیر کارواں نے امامت کی اور تمام مقتدی اپنی اپنی نشستوں پر بلیٹ باندھے اشاروں سے نمازیں ادا کر رہے ہیں۔ اس منظر نے مسافر فرنگیوں کے لئے متعمر کو محل کرنے کی بجائے مزید الحباویا۔

یہ لندن ہے، کبرآلد اور سرد — مگر نیویارک کے مقابلے میں کم مایہ اور غریب اب لندن سے ہم بیروت کا طرف رواں ہیں، طیارہ سے پانچ گھنٹوں کی مسافت ہے۔ یہ بیروت ہے، پہاڑیوں پر آباد شہر، — بیروت سے ہم قیدہ جا رہے ہیں، طیارہ سے اڑھائی گھنٹہ کی راہ ہے۔ رات کے نو بج چکے ہیں۔ شہر جہدہ حجاج کو خوش آمدید کہہ رہا ہے۔ طیارہ کے درپوں سے نیچے دیکھنے سارا شہر حجاج کی آمد پر جھلکا اٹھا ہے اور صدائے ابراہیمی پر لبیک کہنے والوں کے لئے اپنا دامن وا کے ہوئے ہے۔

یہ جہدہ ایئر پورٹ ہے۔ ہر پانچ منٹ پر دنیا کے مختلف علاقوں سے طیارے عشاق حرم کو لیکر یہاں پہنچ رہے ہیں، کسم سے فراغت کے بعد ہم اپنی قیام گاہوں پر پہنچ گئے۔ آج ذی الحجہ کی ۲ تاریخ ہے۔ کل آپ ہمارے ساتھ کمرہ چلیں گے — وہی کہ جس کی تاریخ اپنے دامن میں کنفاؤرش کی داستاںیں چھپائے ہوئے ہے۔ تاریخ کے اوراق ایک ایک کر کے نظروں کے سامنے الٹ رہے ہیں۔ آج پانچ ذی الحجہ ہے، ذرا نظر اٹھائیے اس امر کی قائلہ کو دیکھیے، آپ اب کسی کو نہیں پہچان سکتے۔ رنگ برنگی لباس اتر چکا ہے۔ سب یک رنگ ہو چکے ہیں اب آپ یہ نہیں بتا سکتے کہ ان میں غریب کون ہے اور امیر کون ہے؟ اس سفید کفن آٹما لباس نے امارت و غربت، نسل و رنگ اور اونچ نیچ کے تمام امتیازات کو یک لخت مٹا دیا ہے۔ یہی نہیں یہ قائلہ اب قائلہ امن ہے، امن و سلام اور صلح و خیر کی مجسم تصویر ہے اب چھرا پتو اور جوتھی تک کی جان لینا حرام ہے۔ سبوں کی نگاہیں ہلکی ہوئی ہیں گناہوں کا نشہ دہشت و بغاوت میں سب پیکر امن و محبت ہیں، دلوں کی دھراکین تیز بونی جا رہی ہیں۔ چہروں کا رنگ بدلتا جا رہا ہے۔ آوازیں معمول سے سجھاری ہوتی جا رہی ہیں کیوں؟ اس لئے کہ یہ قائلہ اب سونے حرم چل رہا ہے۔ اللہ کے گھر جا رہا ہے۔ کسی کے گھر انسان در دیار سے ملنے نہیں جاتا، بلکہ صاحب خانہ سے ملنے جاتا ہے۔ اس احساس نے نفسیاتی کیفیت ہی کو

بدل کر رکھا ہے : لَبِيتُ لَبِيكُ اللَّهُمَّ لَبِيكُ انَّ الْعَمَدَ وَالنَّمْعَةَ لَكَ وَالْمُلُوكَ لِرَدِّعَامِ هِيَ .
 ننگ آئیں، سیل اٹک کی تمہید ہیں۔ آپ ہائے ساتھ حدود حرم میں داخل ہوئے ہیں یعنی جدہ سے
 مکہ کی طرف چل رہے ہیں اس وقت قافلہ داروں کی عجیب حالت ہے۔ نہ صرف اَشْکِبَارُ آنکھیں ماحول میں
 فرق پیدا کر رہی ہیں بلکہ بعضوں کی بچکیاں بندہ گئی ہیں بعض ٹھحل ہوئے ہیں بعض باواز بلند رہے ہیں امریکی
 قافلہ میں سب کی زبازوں پر یہی ورد ہے کہ ہم گھر پہنچ کر خدا کے حضور میں اپنے آلام کا
 ذکر کریں گے۔

*I am going to tell God, all of my
 troubles when I get home.!*

آپ بیت اللہ کے قریب ہیں اب حدود حرم میں داخل ہونے والے ہیں، باب السلام سامنے ہے ،
 ارب واحترام کے ساتھ قدم بڑھاتیے۔ ہر فرد کا قدم لاکھڑا رہا ہے۔ ایک چھوٹی سی مربع عمارت
 ہے۔ اول البیت وضع للناس لیکن اس کے رعب و جلال کا عالم دیکھیے۔ سلاطین و گداس کے سامنے
 سر نیا زخم کئے ہوئے ہیں۔ ان فون کا ایک سیلاب ہے۔ اس سیلاب میں آپ ہائے ساتھ طوفان میں
 مصروف ہیں۔ غیر منتظم مجمع اس طرح دھکے دے رہا ہے کہ سخت تکلّف و تعثر پیدا ہو سکتا ہے، لیکن شرف کی بات
 نہیں۔ یہ مجمع اس وقت فرما شوق میں بے خود ہو رہا ہے، اپنے اور اپنے خالق کے درمیان کسی رکاوٹ
 کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔

دوسروں کے تاثرات کیا ہیں، میں نہیں کہہ سکتا۔ ہائے تاثرات تو عجیب ہیں۔ ممکن ہے اوروں
 کو طوفان کعبہ کے وقت الوہیت کا جلال نظر آ رہا ہو۔ ہمیں تو اس وقت عبدیت کا جمال نظر آ رہا ہے۔
 اٹک ہائے بندگی کا ایک سیلاب ہے جس میں لبوں سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر بہ رہے ہیں۔ دیکھیے،
 لکپاتے ہوئے سائل ہونٹ عرش الہی کو ہلا رہے ہیں۔ آسمان جھک جھک کر زمین کو چوم رہا
 ہے۔ کہیں شوخی و اقدام ہے کہیں خود سپردگی و خود زاموشی لیکن مجاہدہ عبت ہے کہیں اعتراف
 بندگی۔ کہیں یہ شوخ مطالبہ ہے۔

ہر کس و خرد و شمار کہ قلب و نظر شمار کرد
 یا خود آشکار ہوا مجھے آشکار کرد

گیسو تابدار کرد و بھی تابدار کرد
 حشمت بھی بوجہ جیہ حسن بھی بوجہ جیہ

اور کہیں قدر ظن کی تسبیح کا اعتراف ہے۔

میرا ظن دیکھ کر جبیاں گرانا مجھے تاب ہو جہاں تک وہیں تک تعاب اٹھانا

خاند خدا کے ارد گرد قطار عالم کے بندگانِ الہی، کالے، گولے جوان اور بوڑھے، عورت اور مرد مختلف زبانوں میں اور نت نپکتاتے ہوئے ہنڑوں سے مصروفِ دعا ہیں، ان سب کی زبان پر ایک ہی التجا ہے، 'الہی ہمیں دین و دنیا کی بھلائی سے بہرہ ور کر۔ یہ منظر دیکھتے دیکھتے ہم خیالات کی دنیا میں کھو گئے۔ آپ کو تعجب ہو گا کہ حدودِ حرم میں آج تک کسی کو کھوتے نہیں دیکھا لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہم کھو گئے۔ اس وقت ہم علمِ انبیاء (Scientific Method) کی معمول بھلیوں میں گم ہیں۔ جہاں تلاشِ خدا کی پر پیچ راہوں میں کھینچنا فلاسفہ صدوں تکٹے بے، سر پٹتے رہے اور ہاتھ پیراتے رہے لیکن اکثر انہیں کوئی کنارہ نہ مل سکا۔ اس وقت ہم سقراط سے ما قبل دور کے فلاسفہ کے ساتھ ہیں، یہ پتھاگورس (Pythagoras) ہیں۔ یہ میرا کلیسٹ

(Heraclitus) ہیں۔ سامنے پر نائڈس (Parmenides) ہیں۔ ساتھ ہی امپیدوکلیس (Empedocles) اور پروڈیگوراس (Protagoras) کھڑے ہیں۔ ان سب کو خدا کی تلاش ہے۔ یہ سب اپنی اپنی دانست کے مطابق خدا کی ذات و صفات کو متعین کر رہے ہیں، چلیے آگے بڑھیں، سامنے سقراط ہیں، افلاطون ہیں، ارسطو ہیں، یہ سب خدا کی جستجو میں سرگرداں ہیں لیکن ان کے فکر کی بنیادیں بھی ظن و تخمین... (Speculative Philosophy) پر قائم ہیں اس لئے بے چارے کوشش کے باوجود اسرارِ کائنات کی نقاب کشائی نہ کر سکے۔ آگے بڑھیے! Hellenistic فلسفہ کا عالم جاہلیات اور اس کی رخنیاں دیکھیے۔

ایپی کورین (Epicureans) کی دنیا سے ہوتے ہوئے ہم Stoicism کی دنیا میں پہنچ گئے جہاں خدا کی اہمیت پر زیادہ زور ہے۔ پلوٹینس (Plotinus) سے ہو کر ہم صیانت کے فلسفہ تثلیث تک پہنچ گئے۔ سینٹ اگسٹائن (Saint Augustine) تک پہنچ کر ہم نے پچھ صدیوں کا سفر طے کر لیا۔ اب ہم Dark Ages کے تاریک دور (Dark Ages) سے گزر رہے ہیں اس از میرے میں گیارہ صدیاں گزر گئیں، ۱۲ ویں صدی سے چھلانگ لگا کر ہم تیرھویں صدی میں آگے۔ Saint Thomas Aquinas وغیرہ سے ملنے ہوئے آگے بڑھے، نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کی رتھنیاں دیکھیے۔ سامنے ہیوم (Hume) کھڑے ہیں، اب تحریکِ اصلاحات (Reformations) کی صدائیں گونجنے لگیں، سائینس کا دور

شروع ہوگی لیکن (Bacon) اور برہس (Hobbes) اپنا مشورے کھڑے ہیں، جدید فلسفہ کا
 جد امجد ڈسکارٹ (Descartes) خود اپنی ذات کے لئے ایک سوالیہ نشان بنا ہوا ہے۔ اسپنوزا
 (Spinoza) کے بعد لیبنتز (Leibniz) سے ملاقات ہو گئی۔ آگے بڑھے تو لبرلزم (Liberalism)
 کا دور شروع ہو گیا۔ لوک (Locke) اپنا نظریہ علم دیاست پیش کرنے لگے۔ اور آگے بڑھے تو برکے
 (Berkeley) اور ہیوم (Hume) نے خوش آمدید کہا۔ کچھ آگے رومانی تحریک (Romantic)
 Movement کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ اس کے بعد روسو (Rousseau) کا سامنا ہو گیا۔ پھر کانت
 (Kant) نے اپنا فلسفہ پیش کر دیا۔ اس طرح ۱۸ ویں صدی تک کا سفر طے ہو گیا۔ انیسویں
 صدی میں ہیگل کا سامنا ہوا۔ ہائیرن (Byron) اور ڈیڈلہو (Dante) سے مل کر آگے نہ
 بڑھے تھے۔ کرینٹے (Nietzsche) اپنا نون انسان کامل (Superman)
 نیکر سامنے آگئے۔ اس طویل فکری جنازیم سے نکلنے ہی اشتراکیت کا سامنا کرنا پڑا۔ کارل مارکس
 اپنا فلسفہ پیش کرنے لگے راستہ میں برگن (Bergson) مل گئے۔ بیسویں صدی میں وجودی فلسفہ
 نے ہمارا راستہ گھیر لیا۔ اتنا کہ ہم پھر امریکہ پہنچ گئے جہاں خدائے مرحوم (God is dead) کا
 فلسفہ مقبول ہوتا جا رہا ہے۔ اور خدا سے دامن چھڑ کر انسان چین کا سانس لینا چاہتا ہے۔ تین ہزار
 سالوں کا سفر صحرائے فکر کی دشت زردی پھر بھی جس کی تلاش تھی وہ نہ ملا۔

تھک تھک کے ہر مقام پر دو چار رہ گئے تیرا پانا نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

اس کے بعد چونکے اور آنکھ کھلی تو دیکھا خانہ کعبہ سامنے ہے۔ "ہمیں بھی دیکھو مولا، ہمیں نہ بھولیو
 مالک، ہمیں حسنہ فی الدنیا اور حسنہ فی الاخرہ دونوں سے نواز لیں" کا درحسب معمول وہی
 لینے دینے کی باتیں ہو رہی تھیں، وہی شوخی و اقدام ہے، وہی خود فراموشی و خود سپردگی، وہی
 ربنا آمان فی الدنیا حسنہ و فی الاخرہ حسنہ کی التجا جاری ہے۔

وہ دیکھتے خدامردہ نہیں، وہ تو زندہ ہے، درنہ لین وین کی باتیں کس سے ہو رہی ہیں؟
 ہم نے ایک آواز لگائی، اسے ماضی و حال کے فلسفہ فرنگ! کاش تمہاری ارواح تشریف کوئی منظر
 دیکھنا نصیب ہوتا، اور کبھی خانہ خدا میں حاضری کی سعادت حاصل ہوتی۔ پھر تمہارے علم البیات
 کی بنیادیں مختلف ہوتیں۔ ظن و تخمین کی بجائے ایمان و یقین کی دولت تمہیں نصیب ہوتی۔ خدا

ہماری سائنس اگڑ رہے ہیں لیکن نو مسلم امریکی جوازیوں کی ہمت قابل دید ہے۔ ان کا دلدادہ اور جوش ایسانی خانہ داری
مسلمانوں سے بے حد مختلف ہے، یہ تاریخی حقیقت بھی ہے، ابتدا میں بھی نو مسلموں کے ہاتھوں یہ دعوت آگے
بڑھی تھی جب تک عربوں میں یہ حوصلہ رہا۔ اللہ نے انہیں آگے بڑھایا۔ ان کا حوصلہ ختم ہوا تو دوسری قوموں
کو کھڑا کر دیا۔ پہلے ایرانیوں، سلاجقہ، عثمانی ترکوں اور افغانوں کو اللہ نے کھڑا کیا۔ جب ان کے ایمان پر
غیر لوگ طاری ہو گئی تو اللہ کے لئے مشکل نہیں کہ وہ ایک نئی قوم کو کھڑا کرے، قرینہ غالب ہے کہ نو مسلم امریکی
آبادی کے ہاتھوں آج نہیں تو کئی یہ دعوت پھیلے گی۔ اس وقت جو لوگ اس دعوت سے متاثر ہو چکے ہیں وہ
راسخ العقیدہ اور تحریک کے شیدائی بھی۔

آپ ہمارے ساتھ اس پہاڑ کی چوٹی پر ہیں جہاں سے انسانیت کو درس توحید ملتا تھا۔ دورکت نقل نما
پڑھ لیں۔ پھر ہم اس غلامی داخل ہو گئے جس کا نام غارتگری ہے۔ یہ وہی غارتگری ہے جہاں حضرت محمد
کفر زار کو کے شرکاز ماحول سے پناہ لیا کرتے تھے۔ توحید کے مسکن پر سوچتے تھے۔ آخر اللہ کا فرادہ باسم بیک الہی
خلق سے تحریک توحید کی ابتدا کر دی۔ یہیں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی دعوت لیکر مکہ کی وادی میں نکلے تھے۔

اتر کر حشر سے سونے قوم آیا اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

آج ذی الحجہ کی سات تاریخ ہے ہزاروں فٹ کی بلندی پر ٹھکی پڑھ رہی ہے نساۃ العزیز جو اپیل رہی ہے خلی
برطانیہ جاری ہے ہمزہ پہلی دفعہ نظر آیا۔ پہاڑی پر کھیتی کے مناظر دلکش ہیں، اب ہم چوٹی پر پہنچ گئے ہیں
یہ وہی بازار ہے جس میں رسول اللہ پر تپتے برساتے گئے تھے۔ رسول اللہ کا جسم لہو بہان تھا۔ پھر بھی آپ دست
بدعا تھے۔ "باراہما انہیں ہدایت دے یہ نہیں سمجھتے" یہ طائف ہے..... طائف کا سڑت بازار.....
ذہانے کیوں یہاں کے لوگوں کا صورتیں دیکھ کر ہمیں ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے
رسول اللہ پر تپتے پھینکے تھے۔ ہم یہاں زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے۔ پورے سفر میں کوئی مقام ایسا نہیں آیا جہاں
اس قدر ٹھکد ہو سکو۔

کہہ واپس آکر طبیعت بحال ہوئی۔ حرم کی چلی پہل اور رونق نے افسردہ دلی دور کر دی۔ رات
کشمکش میں گزر گئی۔ آج آٹھ ذی الحجہ کی صبح ہے منیا جانے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ یہ منیا ہے پہاڑوں
کی قدرتی چہار دیواریاں کھچی ہوئی ہیں۔ لاکھوں نیچے پڑے ہیں۔ اسی احاطہ میں جرنی، اٹلیٹنڈ
سوڈان، مصر، شام اور دیگر بلاد اسلامیہ کے باداران اسلام کا پڑاؤ ہے۔ ایک خیمہ مسجد کے لئے

مخصوص ہے، باجماعت غزول کے بعد تقاریر پوری ہیں۔ مختلف ممالک میں دعوتِ اسلام کے کام کی روداد سنانے کا سلسلہ جاری ہے۔ دعوتِ حق کی راہ میں مشکلات اور صعوبتوں کا ذکر ہے۔ ان کامیابیوں کا بھی تذکرہ ہو رہا ہے۔ جو اللہ نے مخلصین کو مختلف علاقوں میں عطا کی ہیں۔

یہ پوری بستی کفن آسا سفید لباس میں ملبوس ہے۔ امریکی قافلہ بالخصوص نو مسلمین کی زندگی اور اخوت و مساوات کا یہ منظر دیکھ کر بے حد متاثر ہیں بلکہ اپنے مغربی اجداد کی روایات پر خندہ زن بھی ہیں انہیں یقین آگیا ہے کہ یہ یک رنگی، مساوات محض توحید کی برکت ہے۔ وحدت فکر اور وحدت نظر کا کرشمہ ہے۔ وہ اس فکر میں غلطان ہیں۔ کہ ایسی وحدت ان کے اجداد کو کیوں نصیب نہیں ہو سکی؟ یہ سوچتے سوچتے امریکی قافلہ ایک بار پھر کھو گیا۔ اپنے اجداد کے فکری سرمایہ کی تحلیل شروع کر دی اور اپنے اجداد کے مندرجہ ذیل سوالات پر غور کرنے لگا۔

(۱) اس کائنات کا کوئی خالق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کا عرفان کیسے ممکن ہے؟

(۲) کیا دنیا *mind* اور *matter* دو الگ الگ سختیوں میں منقسم ہے؟ اگر ایسا، تو دونوں کی تعریف کس طرح ممکن ہے۔ آیا وہ ایک دوسرے کے تابع ہیں۔ یا دونوں کا وجود الگ الگ ہے؟

(۳) نظامِ عالم میں کوئی وحدت ہے یا نہیں؟ تحقیقِ عالم کا کوئی مقصد بھی ہے؟

(۴) کائنات کسی خاص منزل کی طرف بڑھ رہی ہے یا جامد ہے؟

ان سوالات پر سوچنے میں ۴ صدی قبل مسیح سر کھپایا جا رہا ہے۔ پھر بھی کوئی حل نہ مل سکا۔ اس کا حل جدید سائنس کے پاس بھی نہیں۔ آج سائنس اور مذہب کے درمیان ایک سرحدی نشان ضرور کھینچ دیا گیا ہے اور ان دونوں کے بیچ میں جو زمین (*NO man's land*) ہے وہ ان سوالات کے حل کے لئے چھوڑ دی گئی ہے۔ جہاں فلسفی آج بھی سرپیٹ رہے ہیں اور علما۔ باہد اعلیٰیات کے ہاتھ پیر مار رہے ہیں۔

ارسطو کے دور تک فلسفہ پر توہمات (*Speculation*) کا سایہ رہا، انسانوں کی اطاعت کا صحیح مستحق کون ہے؟ اس دور کا ایک بڑا مسئلہ تھا۔ ملے پایا کہ ریاست (*State*) انسانوں کی اعلیٰ طاقت کی حق دار ہے۔ چنانچہ شہر (*city*) اور ریاست (*State*) کی پوجا شروع ہو گئی۔ اس تحریک کے خلاف

بنادت شروع ہوئی۔ Stoic فلاسفہ نے اعلان کیا کہ روح کا رشتہ خدا (خالق روح) سے
 ہونا چاہیے نہ کہ ریاست سے۔ — a man's duty to —
 — God is more imperative than his duty
 to the state —————"

پانچ صدی عیسوی سے ۱۱ صدی عیسوی تک مغرب میں تاریخی کا دور رہا۔ اسٹیٹ اور چرچ کی جنگ
 چلتی رہی۔ پوپ نے اٹلی، فرانس، اسپین، برطانیہ، آئرلینڈ، جرمنی، اسکندھی نیویا اور پولینڈ میں اپنی حکومت
 سربراہی کا دعویٰ کر دیا۔ اس کے بعد پوپ کی طاقت کچھ کم ہونے لگی۔ جب برطانیہ کے بادشاہ نے اس کی
 طاقت کو کمزور کر دیا۔ تاہم چرچ شکست نہ کھا سکا۔ شاہ اپنی فوجی قوت کے باوجود اسے دبا نہ سکا۔ فوج اگر
 شاہ کے ہاتھ میں تھی تو نظام تعدیم چرچ کے ہاتھوں میں تھا جس کی سوتیں عوامی نگرانیوں میں اتری ہوئی تھیں۔ چرچ کے
 ساتھ وفاداری اس نظام تعلیم کی بنا پر قائم رہی۔ ہنوز یہ فیصلہ چرچ کے ہاتھوں میں تھا کہ موت کے بعد بادشاہت کا حق ہوگا یا جہنم کا۔
 عہد وسطی (Middle Ages) میں فریڈرک ثانی نے چرچ اور پوپ کے خلاف نئے مذہبی
 کلچر کی داغ بیل ڈالی۔ لیکن تھومس اگنسٹ (Thomas Aquinas) چرچ کا علمبردار رہا۔ دونوں انتہا پسندی
 کی دو حدود پر تھے۔ توازن اور اعتدال قائم کرنے کی آرزو تھی کہ کوئی سپاس سال بعد دانٹے (Dante)
 کا ظہور ہوا۔ لیکن ادھر دانٹے کی آنکھ بند ہوئی اور توازن کی کشتی غرق آب ہو گئی۔ تحریک اصلاحات نے
 عیسائی دنیا کی مکر توڑ دی۔ پوپ کے حسین خوابوں کی عمارتیں منہدم ہو گئیں۔ نشاۃ ثانیہ کے دور میں جب
 علوم قدیمہ و جدیدہ کے احیاء اور تجدید کا زور ہوا تو اسرار کائنات کی سراغ رسانی کا جذبہ بڑھا کر پوپ کیس
 (Copernicus) نے اپنا علم نجوم پیش کیا۔ مسائل کی تفسیر میں اب منطقی استدلال، تحلیل اور تنظیم پر زور
 دیا گیا۔

پندرہویں صدی میں پوپ اور بادشاہ دونوں اپنا اثر کھو بیٹھے پوپ حکمرانوں کے ہاتھوں کا کھلونا
 بن گئے۔ اٹلی سیاسی بحران کا شکار ہو گیا۔ اسی زمانے میں میکیا ویلی (Machiavelli) کا ظہور ہوا جس
 نے اپنی معروف کتاب "پرنس" میں حصول اقتدار کا نیا نسخہ پیش کیا۔ اس نے حکمرانوں کو تمام روایتی و اخلاقی
 ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا۔ اخلاقیات اب توہمات قرار پائے۔ حصول اقتدار اور اس کا کسی طرح
 برقرار رکھنا سب سے بڑی اخلاقی قدر قرار پایا۔ اس فلسفہ نے روحانی و اخلاقی اقتدار کا تصور ہی مٹا دیا۔

روم کے کبریٰ کا نوال ہو گیا۔ اور روم اب دوسری اقوام کا محکوم بن گیا۔ نہ شہنشاہ ہے نہ چرچ،
 نہ خدا ہی ملا، نہ دجال صنم

۱۶ ویں صدی سے مغربی انکار میں تجدید و اصلاح کی تحریک چلی جو درحقیقت روم کے خلاف ایک
 بنیاد تھی۔ عوام و حکمران دونوں مذہب سے باغی تھے۔ اور تجدید اور تبدیلی کو خوش آمدید کہنے کے
 لئے تیار تھے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ پورا شمالی یورپ مارٹن لوتھر کا گرویدہ ہو گیا۔ ساتھ ہی عیسائی مذہب کے
 دو ٹکڑے ہو گئے۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ۔ اول الذکر کے عقیدہ کے مطابق وحی کا دروازہ بائیسیل
 کے بعد بند نہیں ہوا ہے بلکہ ہر زمانہ میں چرچ کے ذریعہ آسمانی وحی آتی رہے گی۔ لہذا چرچ انسانوں کی
 اطاعت کا حق دار ہے۔ اس کے برخلاف پروٹسٹنٹ نے نیا عقیدہ اختیار کیا۔ جس کے مطابق آسمانی وحی
 سے چرچ کا کوئی تعلق نہیں۔ حق بائیسیل میں موجود ہے۔ ہر شخص چرچ کی مدد کے بغیر حقائق کی جستجو اور
 سراغ رسانی کر سکتا ہے۔

جدید فلسفہ کا بانی ڈسکارٹس برٹش کوشک کی نظر سے دیکھنے لگا، اس کی اپنی شخصیت تمام توجہات کا
 مرکز بن گئی۔ اپنی شخصیت اور وجود کے یقین کے بعد ہی وہ دیگر ذوات کے وجود پر یقین کا قائل تھا۔ اس
 طرح اس نے برکلی، کانت اور Fichte کی راہ ہموار کر دی۔ جن کے خیال میں ہر شے کے ظہور کا مصدر
 اصلی (صوبج) ہے۔

۱۸ ویں صدی میں شخصیت پرستی *Hero Worship* کا زور بڑھا۔ کلائل اور نیٹس نے اپنے
 اپنے نظریات شخصیت پرستی اور انسان کامل کا نسخہ پیش کیا۔ بلٹن نے اپنا نظریہ *Cult of violence*
(Messianism) پیش کیا۔ اس ذات پرستی کا نتیجہ تھا کہ ۱۹ ویں صدی میں رومانی تحریک یا انسانیت کا زور ہوا۔
 اس سیلاب میں ادب، آرٹ، کلچر، سیاست سب بہہ گئے اب انسان آرٹسٹ کے تخیل کا حین خواب بن گیا
 انفعالییت کے اس نقشہ کے خلاف پھر تحریک چلی اور لبرلزم کا زور ہوا۔ لاک (Locke) اس کے
 قائد بن گئے۔ وہ انفرادیت پرستی، شخصیت پرستی، روایات پرستی سب کے خلاف تھے۔ حکومت کی عقلی اور قانونی
 کے سبھی خلاف تھے۔ اس تحریک نے شخصیت پرستی کا خاتمہ کرنا چاہا اور رد عمل کے طور پر ریاست
 پرستی کی تحریک پھر زندہ ہو گئی۔ ہیگل۔ روسو اور ہابز (Hobbes) اسی نظریہ ریاست پرستی
 کے مختلف پہلوؤں کے ترجمان ہیں۔ ان کے خیال میں اطاعت دفرانبردار کی حقیقی مستحق اسٹیٹ ہے۔

اشترکیت براہ راست اس فلسفہ کا بچہ نہیں، لیکن اس کے قریب مزدور ہے۔ کیونکہ کمیونٹی *Community* اور ریاست نے خدا کی جگہ لے لی ہے۔

غرض ۲۴ سو سال کا سفر طے ہو گیا لیکن انسانیت ایک دم آگے نہ بڑھ سکی۔ قدیم یونانیوں کے ہاں شہر (city) اور ریاست (State) واجب الاماعت تھے۔ آج بیسویں صدی میں ہزاروں نشیب و فراز سے گزر کر دنیا وہیں پہنچ گئی ہے۔ وہی ریاست پرستی و قوم پرستی جزو ایمان بن گئی ہے۔

فکر کی وادی میں کچھ دیر بھٹکنے کے بعد ہم واپس مٹی پہنچ گئے۔ اس تاثر کے ساتھ کہ جو معاشرہ وحشی کی ہدایت سے محروم ہوگا۔ وہ اسی طرح پرانگندگی اور وحدت فکر و عمل سے محروم ہوگا۔ وحدت صرف وحشی کے ذریعہ ممکن ہے جو اختلافات میں بھی یک جہتی و یگانگت پیدا کر سکتی ہے۔ اسلامی تاریخ حوادث اور تغیرات سے بھری ہوئی ہے۔ امت مسلمہ کے زوال و عروج کی داستان کم انک حسرت انگیز نہیں لیکن تمام بد نصیبیوں کے باوجود لالہ الاٹھ محمد رسول اللہ کی قوت تسخیر کسی دور میں کم نہیں ہوئی اسی کلمہ کا اعجاز ہے کہ سنی میں ہر سال اپنی نوعیت کا واحد اجتماع عظیم ہوتا ہے۔ فکر و فلسفہ کی اس تشکی کے بعد مذہب کا مزاج بدلنے کے لئے مختلف ملاقوں کے لوگوں سے ملیں۔ ان کے خیالوں میں گشت لگائیں تو مسلم امریکی بھائی ویسے بھی ہاتھوں ہاتھ لائے جا رہے ہیں۔ مختلف خیالوں میں انہیں تقریر کی دعوتیں دی جا رہی ہیں تاکہ یہ اپنے تاثرات کا اظہار کریں۔ جتنے کہ اخبارات اور ریڈیو کے لئے بھی ان سے بیانات لئے جا رہے ہیں۔

آج ذی الحجہ کی تاریخ ہے ہم سب عازم عرفات ہیں، کاریں اور بسیں قطار میں لگی چڑھتیوں کی طرح رینگ رہی ہیں۔ دھوپ تیز ہے اور فضا غبار آلود پھر بھی لوگ بسوں کی چھتوں پر بیٹھے ہیں مارچ کے مہینے میں دھوپ کی یہ شدت غیر متوقع ہے لیکن مشرق کی بد نظمی قطعاً غیر متوقع نہیں، ٹریفک کی بد نظمی کی وجہ سے گھنٹوں سڑک پر کھڑے ہیں۔

اب ہم سب میدان عرفات میں ہیں۔ روایت ہے کہ عرفات میں سارا وقت کھڑے ہو کر دعاؤں میں گزارنا سنون ہے۔ اور ہر دعا مقبول ہوتی ہے۔ لوگ خمیوں کے اندر اور باہر کھڑے دعاؤں میں مصروف ہیں۔ لیکن جبل الرحمتہ کا منتظر عجیب پر کیف، روح پرور اور نشاط انگیز ہے پوری وادی اس وقت ان لوگوں کا سمندر معلوم ہوتی ہے۔ اور جبل الرحمتہ پر انسانوں کا غلاف چڑھا ہوا ہے۔ تل دھرنے کی

جگہ نہیں۔ آگے قدم ہلکانا مشکل ہے بلکہ سہولت سے سانس لینا دشوار ہے۔ جبل الرحمۃ کے اوپر ایک سفید پتھر نصب ہے۔ جو دور سے نظر آتا ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھٹے ہو کر حجۃ الوداع کے موقع پر آخری خطبہ دیا تھا 'ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ رسول اللہ کھڑے خطبہ دے رہے ہیں۔ یہ کیفیت احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ ہمارے کان اس آخری خطبہ کے مضامین سن رہے ہیں جو انسانی تاریخ کا ایک عظیم خطبہ ہے۔

عصر کی نماز اور تلاوت قرآن کے بعد لوگ کھڑے ہو کر دعائیں مانگ رہے ہیں۔ انفرادی اور اجتماعی طور پر لوگ دست بدعا میں اپنی کوتاہیوں اور تقصیرات کے اعتراف کے ساتھ توبہ کر رہے ہیں.....
ربنا انسانی الدنيا حسنة و فی الاخرة حسنة کی التجا جاری ہے۔

مغرب کی نماز ہو رہی ہے، نماز کے بعد ہم سب مزدلفہ کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔ تاکہ ایک شب وہاں پڑاؤ کریں اور پھر منیٰ واپس ہوں..... یہ مزدلفہ ہے، اوپر آسمان نیچے رحمتان، زخیم ہے زکوئی اوٹ..... اوپر اللہ ہے..... نیچے بندگانِ خدا..... ساری رات لوگوں نے عبادت میں گزاری۔ اب صبح کی نماز پڑھ کر پھر منیٰ کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔

یہ منیٰ ہے ————— دی ہما ہی اد جوش و خروش ہے

آج دس ذی الحجہ ہے۔ لوگ تشریحانیوں کے لئے تشریحان گاہ جارہے ہیں قربانیوں کے بعد شیاطین کا رجم جاری ہے، دو مزید دن منیٰ میں گزار کر تائفہ مکہ میں واپس آگیا۔

خانہ کعبہ کا طواف ہو رہا ہے، خدا سے نئے عہد و پیمانہ باندھے جارہے ہیں۔ حجر اسود کا استلام ہو رہا ہے۔ مقام ابراہیم پر نمازیں پڑھی جارہی ہیں۔ آپ زمزم سے تشنگی دور کی جارہی ہے اور صفا و مروہ کی آخری سعی ہو رہی ہے۔

ہم مناسک حج سے فارغ ہو گئے۔ زندگی کے ایک اہم اسلامی فریضے سے جوہر ماقبل و بائخ، صاحب استطاعت مسلمان پر فرض ہے، فارغ ہو کر اب مدینہ کی طرف جارہے ہیں روضہ رسول نظروں میں سمایا ہوا ہے..... مکہ سے جدہ جاتے ہوئے ہم سب مدینہ چل رہے ہیں۔ لیجئے آپ مدینہ نبیہ قریب ہیں۔ یہ مقام بدر ہے جہاں حق باطل سے پہلی بار نبرد آزما ہوا تھا۔ اس میں حق غالب اور باطل مغلوب ہوا۔

یہ مریزہ لٹی ہے..... یہاں کہہ کا شکوہ نہیں، آقا سیت کا جلال نہیں، بندگی کی تواضع نہیں لینے دینے کی باتیں نہیں..... لین دین کی باتیں تو حدودِ حرم میں ہو چکی..... اب تو صرف دینے اور اپنے آپ کو فدا کرنے کا سوال ہے۔ عاشقانِ رسولؐ اپنا سب کچھ لٹانے کے لئے تیار ہیں۔ یہ وہی انصار کا شہر ہے جہاں انہوں نے اپنا سب کچھ رسولؐ کے لئے لٹایا تھا۔

آپ اس وقت مسجدِ نبویؐ کے پاس ہیں۔ سامنے باباِ اسلام ہے۔ لوگ مسجدِ نبویؐ میں داخل ہو رہے ہیں۔ عاشقانِ رسولؐ کی نیاؤں پر اس وقت ایک ہی صدا ہے۔

- (۱) السلام علیک یا احمدؑ -
- (۲) السلام علیک یا محمدؑ -
- (۳) السلام علیک یا رسول اللہؐ -
- (۴) السلام علیک یا نبی اللہ -
- (۵) السلام علیک یا حبیب اللہ -

مختلف لہجوں میں یہی ایک صدا گونج رہی ہے۔ اس کیفیت و محبت کی فضا میں ہم سب کھو گئے ایک بار پھر ہمارا ذہن ان مستشرقین اور سوخ نگارانِ غرب کی طرف متوجہ ہوا۔ جنہوں نے پیغمبرِ اسلامؐ کی زندگی کو داندار ثابت کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ العیاذ باللہ۔ مجنوں و شاعر بتایا، مرگی کا مریض ثابت کیا جو بھڑن یا سدان اور نفس پرست انسان ثنات کرنے کی ناکام کوششیں کیں۔ انہیں جادوگر بتایا، غرض یہ کیا کیا تہمتیں نہ تراشا کئے عدد

اے مردہ اور زندہ دانشورانِ فرنگ! اگر محمدؐ جادوگر ہوتے تو یہ جادو کتنے دن سر چڑھا رہتا؟ سو سال؟ دو سو سال؟ دنیا کی تاریخ میں کسی سیاسی، اخلاقی اور مذہبی جادو کا زور کچھ عرصہ سے زیادہ رہا ہے؟ اگر کبھی تمہیں اس سرزمین سے گزرنے کی سعادت نصیب ہوئی جوتی! اگر تم نے نے کبھی درود و سلام کی یہ صدا سنی ہوئی تو شاید تمہاری اخلاقی حس تمہیں متنبہ کرتی اور تم اس بہتان تراشی سے باز رہتے اور توفیق ہو تو اب یہاں آکر دیکھو کہ آج ۱۴ سو سالوں کے بعد بھی اقطارِ عالم سے عاشقانِ رسولؐ آ کر درود و سلام بھیج رہے ہیں اور نبی آخر الزماں کی مدح و ثنا میں

رطب اللسان ہیں۔

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامانِ اوست
بجو بردر گوشہٴ دامنِ اوست

زانکہ ملت را حیات از عشقِ اوست
برگِ دساز کائنات از عشقِ اوست

اے رسالتِ محمدی کا انکار کرنے والو تمہیں کیا معلوم کہ

شعلہ ہائے اوصدا براہیم سوخت تا چراغِ یک محبت
پس خدا برا شریعت ختم کرد بر رسولِ ما رسالت ختم کرد
ردنی از ما مفصلِ ایام را اور سلِ راضم و مسا اقام را
لکانبیِ بعدی احسانِ خدا است پردہٴ ناموسِ دینِ مصطفیٰ است

اے عقل کے پجاریو اور اے ترقی کے دعویدارو صرف اتنا بتا دو..... ہے کئی دوسرا
پنہیر ہے یہ سلامِ سردی اور حیاتِ ابدی نصیب ہوئی؟ اس قلعے کو چھوڑیے اور آئیے مسجدِ نبویؐ
کے اندر داخل ہوں، درود و سلام پڑھیے۔ آپ روضہٴ رسولؐ کے سامنے ہیں یہ سامنے روضہٴ اطہر ہے
ہماری زبانوں پر ایک ہی نغمہ ہے

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا اہستہ اب تو ہی بتاتیرا مسلمان کدھر جائے
وہ لذتِ آشوب نہیں بجز عرب میں پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے
ہر چند ہے بے فائدہ و راسخ و زاد اس کوہِ بیابان سے صدی خوں کدھر جائے

اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمدؐ

آیاتِ الہی کا نگہبان کدھر جائے

جناب رسالتِ نبویؐ میں یہ درخواست دیکر ہم سب باہر نکل رہے ہیں اور چند تاریخی
مقامات کی زیارت کیلئے چل رہے ہیں۔ آپ اب جبلِ احد کے دامن میں ہیں۔ سامنے حضرت
حمزہ کا مزار ہے۔ یہاں سے آپ خندق پہنچ گئے۔ مسجدِ نمہ مسجدِ قبلین، مسجدِ قبا وغیرہ
کی زیارت کے بعد اب آپ مدینہ یونیورسٹی میں ہیں۔ جہاں سے فلاسفہ غرب کو ہم آخری
صدا دے رہے ہیں۔

راہب دیرینہ افلاطون حکیم ازگردہ گوسفندان قدیم

ہمارا سفر اب مکمل ہو چکا..... امریکی قافلہ آخری درود و سلام کے بعد شہر مینہ سے جدہ واپس
 ہو رہا ہے یہ بیروت ہے۔۔۔ بیروت نئے آپ ہمارے ساتھ پھر لندن واپس آئے
 اور لندن سے نیویارک واپس چل رہے ہیں۔ یہ نیویارک ہے۔ اب آپ روحانی دنیا کے
 مرکز مکہ سے مادی دنیا کے مرکز نیویارک میں واپس آگئے جہاں مرحوم جمعیت اقوام کی
 وارث اقوام متحدہ نے جنم لیا ہے اور جس کی نسل جنیوا سے ہجرت کر کے نیویارک پہنچ
 اسکے لئے کہ سے ہم وہی پرانا پیغام لائے ہیں :-

مخے نے دیا خاکِ جنینا کو یہ پیغام
 جمعیت اقوام کی جمعیتِ آدم؟

